مرزا فرحت اللہ بیگ

(۱۸۸۳ء..........۱۹۴۷ء)

مرزا فرحت اللہ بیگ دِلّی میں پیدا ہوئے اور سینٹ اسٹیفنز کالج دِلّی سے بی اے کیا۔ زمانۂ طالبِ علمی میں ڈرامے اور کرکٹ کا شوق رہا۔ ۱۹۰۷ء میں حیدرآباد دکن چلے گئے اور پہلے تعلیم اور پھر عدالت کے محکموں سے وابستہ رہے۔ وہ ترقی کرتے کرتے ہوم سیکرٹری کے عہدے تک پہنچے، جہاں سے ریٹائر ہوئے اور پنشن حاصل کی۔ انھوں نے حیدرآباد ہی میں وفات پائی۔

مرزا فرحت اللہ بیگ کا طرزِ تحریر سادہ اور پُر لُطف ہے۔ وہ بڑے شگفتہ انداز میں، دِلّی کی خاص زبان لکھتے ہیں۔ ان کے اسلوب میں تصنّع اور بناوٹ، نام کو نہیں۔ مزاح کی چاشنی، ان کی تحریر میں خاص لُطف دیتی ہے۔ بقول رشید احمد صدیقی:

> ''فرحت کے اسلوب کی نمایاں خوبی فقروں کا اختصار ہے۔ وہ چھوٹے چھوٹے فقروں سے رواں دواں عبارت کا جادو جگاتے ہیں۔ فرحت کی تحریروں میں اسلوب کی یکسانیت، معجزے کی حد تک قائم رہتی ہے۔ وہ ایک مضمون کو جس رنگ میں شروع کرتے ہیں، اسی رنگ میں انجام تک پہنچاتے ہیں۔''

مرزا فرحت اللہ بیگ ابتدا میں ''مرزا الم نشرح'' کے قلمی نام سے لکھتے رہے۔ بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق اور عظمت اللہ خاں نے ان کی ہمت بڑھائی اور وہ اپنے اصل نام سے لکھنے لگے۔ ''نذیر احمد کی کہانی''، ''پھول والوں کی سیر'' اور ''دِلّی کا ایک یادگار مشاعرہ'' ان کے یادگار مضامین ہیں۔

ان کے مضامین ''مضامینِ فرحت'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ وہ قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ ''میری شاعری'' ان کے کلام کا انتخاب ہے۔

مرزا فرحت اللہ بیگ

امتحان

مقاصد تدریس

۱۔ طلبہ کو طنز و مزاح کے معنی و مفہوم سے آگاہ کرنا۔
۲۔ طلبہ کو تعلیم و تدریس میں امتحان کی اہمیت سے روشناس کرانا۔
۳۔ طلبہ کو یہ بتانا کہ امتحان میں کامیابی کے لیے صرف ذاتی محنت اور قدرت کی مدد ہی کام آتی ہے۔
۴۔ اس بات سے روشناس کرانا کہ ناجائز ذرائع سے امتحان میں کامیابی کے حصول کے خواہش مند طلبہ کو شرمندگی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

نہ ہوئی گر مرے پرچوں سے تسلّی نہ سہی
امتحان اور بھی باقی ہے تو یہ بھی نہ سہی

لوگ امتحان کے نام سے گھبراتے ہیں لیکن مجھے ان کے گھبرانے پر ہنسی آتی ہے۔ آخر امتحان ایسا کیا ہوتا ہے؟ دو ہی صورتیں: ''فیل یا پاس۔'' اس سال کامیاب نہ ہوئے، آئندہ سال سہی۔ میں اپنے دوستوں اور ہم جماعتوں کو دیکھتا تھا کہ جُوں جُوں امتحان کے دن قریب آتے جاتے ان کے حواس، ان کا دماغ مختل اور ان کی صورت اتنی سی نکل آتی تھی۔ بندے پر امتحان کا نہ رتی برابر اثر پہلے تھا اور نہ اب بھی اس کے ختم ہو جانے کا افسوس ہے۔ امیدواروں کا مجمع، نئی نئی صورتیں، عجیب عجیب خیالات: یہ ایسی چیزیں ہیں جن سے کبھی دل سیر نہیں ہو سکتا۔ جی چاہتا ہے کہ تمام عمر امتحان ہوئے جائے، لیکن پڑھنے اور یاد کرنے کی شرط اٹھا دی جائے۔ میری سُنیے کہ دو سال میں لا کلاس کا کورس پورا کیا مگر کس طرح؟ شام کو یاروں کے ساتھ ٹہلنے نکلتا۔ واپسی کے وقت ''لا کلاس'' میں بھی جھانک آتا، منشی صاحب دوست تھے اور لکچرار صاحب پڑھانے میں مستغرق، حاضری کی تکمیل میں کچھ دشواری نہ تھی۔ اب آپ ہی بتائیں کی ''لا کلاس'' میں شریک ہونے سے میرے کس مشغلے میں فرق آ سکتا تھا؟ والد صاحب قبلہ خوش تھے کہ بیٹے کو قانون کا شوق ہو چلا ہے۔ کسی زمانے میں بڑے بڑے وکیلوں کے کان کترے گا۔ ہم بھی بے فکر تھے کہ چلو دو برس تک تو کوئی محنت کے لیے کہہ ہی نہیں سکتا۔ بعد میں دیکھیے کون جیتا ہے اور کون مرتا ہے، لیکن زمانہ آنکھ بند کیے گزر جاتا ہے، دو سال ایسے گُزر گئے جیسے ہوا۔ ''لا کلاس'' کا صداقت نامہ بھی مل گیا۔ اب کیا تھا والدین امتحان وکالت کی تیاری کے لیے سر ہو گئے مگر میں بھی ایک ذاتِ شریف ہوں، ایک بڑھیا اور ایک بوڑھے کو دھوکا دینا کیا بڑی بات ہے۔ میں نے تقاضا کیا کہ علیحدہ کمرہ مل جائے تو محنت کروں۔ بال بچوں کی گڑبڑ میں مجھ سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ چند روز اسی حیلے سے ٹال دیے، لیکن تا کجے؟ بڑی بی نے اپنے سونے کا

کمرا خالی کر دیا۔ اب میں دوسری چال چلا، دروازوں میں شیشے تھے، ان پر کاغذ چپکا دیا۔ لیمپ روشن کر کے آرام سے سات بجے سے سو جاتا اور صبح نو بجے اٹھتا۔ اگر کسی نے آواز دی اور آنکھ کھل گئی تو ڈانٹ دیا کہ خوامخواہ میری پڑھائی میں خلل ڈالا جاتا ہے، اگر آنکھ نہ کھلی اور صبح کو سونے کا الزام لگایا گیا، تو کہہ دیا کہ میں پڑھتے وقت کبھی جواب نہ دوں گا۔ آئندہ کوئی مجھے دِق نہ کرے۔ بعض وقت ایسا ہوا کہ لیمپ بھڑک کر چمنی سیاہ ہوگئی اور میری زیادہ محویت و محنت کا نتیجہ سمجھی گئی۔ بعض وقت والد والدہ کہتے بھی تھے کہ اتنی محنت نہ کیا کرو، لیکن میں زمانے کی ترقی کا نقشا کھینچ کر ان کا دل خوش کر دیتا تھا۔ خدا خدا کر کے یہ مشکل بھی آسان ہوگئی اور امتحان کا زمانہ قریب آیا۔ میں نے گھر میں بہت کہا کہ ابھی میں امتحان کے لیے جیسا چاہیے ویسا تیار نہیں ہوں لیکن میری مسلسل حاضری لا کلاس اور شبانہ روز کی محنت نے ان کے دلوں پر سکّہ بٹھا رکھا تھا۔ وہ کب ماننے والے تھے، پھر بھی احتیاطاً اپنے بچاؤ کے لیے ان سے کہہ دیا کہ اگر میں فیل ہو جاؤں تو اس کی ذمّے داری مجھ پر نہ ہوگی کیونکہ میں اپنے آپ کو ابھی امتحان کے قابل نہیں پاتا۔ لیکن والد صاحب مسکرا کر بولے کہ امتحان سے کیوں ڈرے جاتے ہو، جب محنت کی ہے تو شریک بھی ہو جاؤ، کامیابی و ناکامیابی خدا کے ہاتھ ہے:

مرد باید کہ ہراساں نہ شود ؎

میں نے بھی تقدیر اور تدبیر پر ایک چھوٹا سا لکچر دے کر ثابت کر دیا کہ تدبیر کوئی چیز نہیں، تقدیر سے تمام دنیا کے کام چلتے ہیں۔

قصّہ مختصر درخواستِ شرکت دی گئی اور منظور ہوگئی اور ایک دن وہ آیا کہ ہم ہال ٹکٹ لیے ہوئے مقامِ امتحان پر پہنچ ہی گئے۔ گو یاد نہیں کیا تھا، لیکن دو وجہ سے کامیابی کی امید تھی: اوّل تو ''امدادِ غیبی'' دوسرے ''پرچوں کی الٹ پھیر۔'' شاید وہ حضرات جو امتحان میں کبھی شریک نہیں ہوئے، اس مضمون کو نہ سمجھیں، اس لیے ذرا وضاحت سے عرض کرتا ہوں۔ ''امدادِ غیبی'' سے مراد امیدوارانِ امتحان کی اصطلاح میں وہ مدد ہے، جو ایک کو دوسرے سے یا کسی نیک ذات نگران کار سے یا عندالمواقع کتاب سے پہنچ جاتی ہے۔ پرچوں کی الٹ پھیر گو بظاہر مشکل معلوم ہوتی ہے لیکن تقدیر سب کچھ آسان کر دیتی ہے۔ بعض شریف کم حیثیت ملازم ایسے بھی نکل آتے ہیں، جو بامید انعام پرچہ بدل دیتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ اس سے ایک محنت کرنے والے کو نقصان پہنچ جاتا ہے، لیکن تدبیر و تقدیر کا مسئلہ جیسا اس کارروائی میں حل ہوتا ہے، دوسری کسی صورت میں حل نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ اور بھی صورتیں ہیں لیکن وہ بہت کم پیش آتی ہیں، اس لیے ان پر بھروسا کرنا نادانی ہے۔ خیر آمدم برسرِ مطلب، پونے دس بجے گھنٹی بجی اور ہم بسم اللہ کہہ کر امتحان کے کمرے میں داخل ہوئے۔ یہاں ایک بہت خلیق اور ہنس مکھ نگرانِ کار تھے۔ مجھے جگہ نہیں ملتی تھی، میں نے ان سے کہا وہ میرے ساتھ ہو لیے۔ جگہ بتائی اور بڑی دیر تک ہنس ہنس کر باتیں کرتے رہے۔ میں سمجھا چلو بیڑا پار ہے، اللہ دے اور بندہ لے۔ ٹھیک دس بجے پرچہ تقسیم ہوا۔ میں نے پرچہ لیا۔ سرسری نظر ڈالی اور میز پر رکھ دیا۔ لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ پرچہ پڑھنے کے بعد جیسا میرے چہرے پر اطمینان تھا، شاید ہی کسی کے چہرے پر ہوگا۔ خود تو اس پرچے کے متعلق اندازہ نہ کر سکا لیکن نگرانِ کار صاحب کو یہ کہتے ضرور سنا کہ پرچہ مشکل ہے۔ میں کئی مرتبہ اوّل سے آخر تک اس کو پڑھ گیا لیکن یہ نہ معلوم ہوا کہ کس مضمون کا ہے۔ جوابات کی

کاپی دیکھی، اس کے آخر کی ہدایتیں پڑھیں، صفحۂ اوّل کی خانہ پُری کی اور کھڑا ہو گیا۔ گارڈ صاحب فوراً ہی آئے، میں نے ان سے کہا کہ جناب یہ پرچہ کس مضمون کا ہے؟ وہ مسکرائے، زبان سے تو کچھ نہ بولے مگر پرچے کے عنوان پر انگلی رکھ دی۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ ''اصولِ قانون'' کا پرچہ ہے، دل کھل گیا۔ میں نے بھی قلم اُٹھا کر لکھنا شروع کر دیا، کیونکہ اصول کے لیے کسی کتاب کے پڑھنے کی ضرورت تو ہے ہی نہیں۔ اس مضمون پر ہر شخص کو رائے دینے کا حق حاصل ہے۔ ایک مقنّن ایک اصول قائم کرتا ہے، دوسرا اس کو توڑ دیتا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ ہم اپنی رائے کو کسی دوسرے کی تجویز کا پابند کریں، میں نے اپنے برابر والے سے پوچھنے کی کوشش بھی کی، کچھ اِدھر اُدھر نگاہ بھی دوڑائی، مگر گارڈ صاحب میری حالت کو کچھ ایسا تاڑ گئے تھے کہ ہر وقت بلائے ناگہانی کی طرح سر پر ہی کھڑے رہتے تھے۔ ذرا میں نے اِدھر اُدھر گردن پھیری اور انھوں نے آواز دی کہ ''جناب اپنے پرچے پر نظر رکھیے۔''

جب دوسروں سے مدد ملنے کی توقع منقطع ہو گئی تو میں نے دل میں سوچا کہ چلو ان گارڈ صاحب سے ہی پوچھیں۔ میں کھڑا ہو گیا۔ وہ آئے میں نے دریافت کیا کہ جناب اس دوسرے سوال کا کیا جواب ہے؟ وہ مسکرائے اور کہا کہ ''مجھے معلوم نہیں۔'' میں نے کہا کہ یہ برابر والے بڑے زور سے لکھ رہے ہیں، ان سے پوچھ دیجیے اور اگر آپ کو دریافت کرتے ہوئے لحاظ آتا ہے تو ذرا اُدھر ٹہلتے ہوئے تشریف لے جائیے، میں خود پوچھ لوں گا۔ مگر وہ کب ہلنے والے تھے، قطب ہو گئے۔ ان کا مسکرانا پہلے تو اچھا معلوم ہوتا تھا، لیکن پھر آخر میں تو زہر ہو گیا۔ میں واللہ سچ کہتا ہوں کہ اگر تمام عمر میں قلبی نفرت مجھے کسی سے ہوئی ہے تو انھی صاحب سے ہوئی ہے۔ غرض اس طرح یہ تمام دن امتحان کے گزر گئے۔ لیکن آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ایسے ظالم کے ساتھ، ایسی حالت میں کہ ایک حرف بھی یاد نہ ہو، پورے چھے گھنٹے گزارنے کیسے مشکل ہوں گے؟ میں تو ہر روز آدھا گھنٹا کے بعد ہی کمرے سے نکل آتا۔ لیکن مصیبت یہ آن پڑی کہ والد صاحب روز گیارہ بجے سے آجاتے اور نیچے صحن میں بیٹھے رہتے۔ اب میں جلدی باہر آجاتا تو جو رُعب میں نے دو سال کے عرصے میں قائم کیا تھا، وہ سب ہوا ہو جاتا۔ اس لیے قہرِ درویش، برجانِ درویش، آخری وقت تک امتحان کے کمرے میں بیٹھا رہتا اور جب نیچے اترتا تو والد صاحب سے پرچے کی سختی کی ضرور شکایت کرتا۔ وہ بھی میری تشفی کے لیے ممتحن کو بہت کچھ بُرا بھلا کہتے۔ لیکن ان کو یہ خیال ہو گیا تھا کہ کچھ ہی کیوں نہ ہو، میرا بیٹا کامیاب ضرور ہو گا۔ امتحان ختم ہوا اور امید نمبر ایک اور دو کا خون ہو گیا۔ اب ممتحنوں کے پاس کوشش کی سوجھی۔ والد صاحب ایک زبردست چٹھی سفارش کی لے کر ایک صاحب کے یہاں پہنچے۔ وہ چٹھی دیکھ کر بہت اخلاق سے ملے، آنے کی وجہ دریافت کی۔ والد نے عرض کیا کہ خادم زادہ اس سال امتحان میں شریک ہوا ہے اگر آپ کوشش فرمائیں تو یہ خانہ زاد ہمیشہ ممنونِ احسان رہے گا۔ وہ بہت ہنسے اور دوسرے لوگوں سے جو سلام کو حاضر ہوئے تھے، فرمانے لگے: یہ عجیب درخواست ہے، ان کا بیٹا تو امتحان دے اور کوشش میں کروں۔ بندۂ خدا اپنے لڑکے سے کہو کہ وہ خود کوشش کرے۔ بے چارے بڑے میاں ایسے نادم ہوئے کہ پھر کسی کے پاس نہ گئے۔ کچھ عرصے کے بعد نتیجہ بھی شائع ہو گیا اور کمترین جملہ مضامین میں بدرجۂ اعلیٰ فیل ہوا۔ خبر نہیں کہ وہ کون سے بھلے مانس ممتحن تھے کہ انھوں نے دو نمبر بھی دیے، باقی نے تو صفر ہی ڈالا۔ والد صاحب کو بہت رنج ہوا۔ نمبروں کی نقل حاصل کی اور بالآخر یہی رائے قرار پائی کہ کسی بدمعاش چپراسی نے بدل دیے ورنہ ممکن تھا کہ برابر تین

گھنٹے لکھا جاتا اور صفر ملتا۔ مجھے بھی تعجب تھا کیونکہ میں نے پرچے کچھ ایسے بُرے نہیں کیے تھے، میں نے یہ جوابات والد صاحب کو بھی سنائے، انھوں نے بہت تعریف کی، ممتحنوں کو بہت بُرا بھلا کہا۔ میری اشک شوئی کی اور فرمایا بیٹا کوئی گھبرانے کی بات نہیں، اس سال نہیں، آئندہ سال سہی۔ آخر کہاں تک بے ایمانی ہوگی:

سو دن چور کے تو ایک دن شاہ کا

خیر جو کچھ ہوا سو ہوا، ایک سال کی فرصت تو مل گئی۔

(مضامینِ فرحت)

مشق

۱۔ مختصر جواب لکھیں۔

(الف) مضمون نگار کو امتحان سے گھبرانے والوں پر ہنسی کیوں آتی ہے؟

(ب) جُوں جُوں امتحان کے دن قریب آتے جاتے، مضمون نگار کے دوستوں اور ہم جماعتوں کا کیا حال ہوتا؟

(ج) مضمون نگار نے کون سا امتحان دیا تھا؟

(د) مضمون نگار نے امتحان دیا تو کیا نتیجہ نکلا؟

(ہ) مضمون نگار کے والد نے کس طرح اُسے تسلّی دی؟

۲۔ سبق ''امتحان'' کا خلاصہ اپنے الفاظ میں تحریر کریں۔

۳۔ مندرجہ ذیل الفاظ اور تراکیب کے معانی لکھیں۔

مختل، مستغرق، محویت، امدادِ غیبی، خادم زادہ، ممتحن، تشفّی، اشک شوئی، کم ترین، بدرجۂ اعلیٰ، خادم

۴۔ واحد الفاظ کی جمع لکھیں۔

امتحان، خیال، مشغلہ، وکیل، ممتحن، تدبیر، مضمون

۵۔ اِعراب لگا کر تلفّظ واضح کریں۔

حواس، مختل، مشغلہ، مستغرق، خلیق

۶۔ متن کو مدِّنظر رکھتے ہوئے درست جواب کی نشاندہی (✓) سے کریں۔

(الف) بندے پر امتحان کا اثر نہیں تھا:

(i) رتی برابر (ii) ذرا برابر

(iii) بالکل (iv) معمولی

(ب) طالب علم نے کتنے سال میں لا کلاس کا کورس پورا کیا؟

(i) چار سال (ii) دو سال

(iii) تین سال (iv) پانچ سال

(ج) لا کالج میں کون طالب علم کا دوست تھا؟

(i) لکچرار صاحب (ii) پرنسپل صاحب

(iii) منشی صاحب (iv) چوکیدار

(د) طالب علم نے کس سے پوچھا کہ یہ پرچہ کس مضمون کا ہے؟

(i) نگران صاحب سے (ii) گارڈ صاحب سے

(iii) سپرنٹنڈنٹ سے (iv) کسی طالب علم سے

(ہ) طالب علم کتنی دیر میں کمرے سے باہر نکل آتا؟

(i) ایک گھنٹے بعد (ii) آدھا گھنٹا بعد

(iii) دو گھنٹے بعد (iv) تین گھنٹے بعد

۷۔ متن کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے خالی جگہ پُر کریں۔

(الف) لوگ..........کے نام سے گھبراتے ہیں لیکن مجھے ان کے..........پر ہنسی آتی ہے۔

(ب) والد صاحب قبلہ..........تھے کہ بیٹے کو......کا شوق ہو چلا ہے۔

(ج) کِسی زمانے میں بڑے بڑے..........کے کان کترے گا۔

(د) لیمپ روشن کر کے آرام سے..........سے سو جاتا اور..........اُٹھتا۔

(ہ) قصہ مختصر درخواست شرکت دی گئی اور..........ہو گئی۔

(و) یہاں ایک بہت......اور..........نگرانِ کار تھے۔

(ز) ایک..........ایک اصول قائم کرتا ہے، دوسرا اس کو توڑ دیتا ہے۔

(ح) والد صاحب روز..........سے آ جاتے اور..........صحن میں بیٹھے رہتے۔

(ط) والد نے عرض کیا کہ..........اس سال امتحان میں شریک ہوا ہے۔

(ی) سو دن..........کے تو ایک دن..........کا۔

۸۔ متن کو مدِّ نظر رکھ کر کالم (الف) میں دیے گئے الفاظ کو کالم (ب) کے متعلقہ الفاظ سے ملائیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)
فرحت اللہ بیگ	لاکلاس
فیل	مرنا
جینا	بُڑھیا
دوسال	امتحان
بڈھا	پاس
تقدیر	ناکامیابی
مشکل	منظور
کامیابی	تدبیر
درخواست	آسان

جملے کے اجزائے ترکیبی:

جملہ الفاظ کے ایسے مجموعے کا نام ہے، جس سے بات پورے طور پر سمجھ آ جائے۔ ہر جملے کے دو حصے ہوتے ہیں، جن کا آپس میں گہرا تعلق ہوتا ہے۔ اس تعلق کو قواعد میں اسناد کہتے ہیں۔ جس شخص یا چیز کی نسبت یا تعلق ہو، اسے مسند اور جس کے ساتھ تعلق یا نسبت ہوا سے مسند الیہ کہتے ہیں۔ مسند الیہ ہمیشہ اسم (نام) ہوتا ہے۔ مسند کبھی اسم اور کبھی فعل ہوتا ہے۔ مثالیں دیکھیے:

(الف) انور دوڑا۔

(ب) فرید عقل مند ہے۔

پہلے جملے میں مسند الیہ (انور) اسم ہے جب کہ مسند (دوڑا) فعل۔ دوسرے جملے میں مسند الیہ (فرید) اسم ہے اور مسند (عقل مند) بھی اسم ہے۔

جملہ اسمیہ اور فعلیہ میں امتیاز کرنا

جملہ اسمیہ: ایسا جملہ جس میں مسند اور مسند الیہ دونوں اسم ہوں، جملہ اسمیہ کہلاتا ہے جیسے:

(الف) اکبر بہادر ہے۔

(ب) زید بزدل تھا۔

(ج) لڑکے چالاک ہیں۔

ان تین جملوں میں مسند الیہ (اکبر، زید اور لڑکے) اسم ہیں۔ اسی طرح مسند (بہادر، بزدل، چالاک) بھی اسم ہیں۔

اسمیہ جملے کے مندرجہ ذیل تین اجزا ہوتے ہیں:

مسند الیہ: اسے مبتدا بھی کہتے ہیں۔ اوپر کی مثالوں میں اکبر، زید اور لڑکے مسند الیہ ہیں۔

مسند: اسے خبر بھی کہتے ہیں۔ اوپر کی مثالوں میں بہادر، بزدل اور چالاک مسند ہیں۔

فعلِ ناقص: فعل ناقص سے زمانے کا تعیّن ہوتا ہے۔ اوپر کی مثالوں میں ہے، تھا اور ہیں فعلِ ناقص ہیں۔

جملہ فعلیہ: ایسا جملہ جس میں مسند الیہ اسم اور مسند فعل ہو۔ جیسے:

(الف) وہ پڑھتا تھا۔

(ب) عائشہ روتی ہے۔

(ج) میں کھانا کھاتا ہوں۔

ان تین جملوں میں مسند الیہ (وہ، عائشہ اور میں) اسم ہیں جب کہ مسند (پڑھتا، روتی اور کھاتا) افعال ہیں۔ فعلیہ جملے کے اجزا درجِ ذیل ہیں:

مسند الیہ: اسے فاعل کہتے ہیں۔ اوپر کی مثالوں میں وہ، عائشہ اور میں مسند الیہ ہیں۔

مسند: فعلیہ جملے میں اسے فعل کہتے ہیں۔ اوپر کی مثالوں میں پڑھتا، روتی، کھانا مسند ہیں۔

مفعول: جس پر کام کیا جائے وہ مفعول کہلاتا ہے جیسے: وہ ہاکی کھیلتا ہے میں ہاکی۔

مبتدا اور خبر کا فرق اور آگاہی:

اسمیہ جملے کے مسند الیہ کو مبتدا کہتے ہیں جب کہ مسند کو خبر۔ مثالیں دیکھیں۔

(الف) عادل ذہین تھا۔

(ب) اسلم نالائق ہے۔

(ج) پتھر سخت ہے۔

(د) لکڑی مضبوط ہے۔

ان مثالوں میں عادل، اسلم، پتھر اور لکڑی مبتدا ہیں۔ جب کہ ذہین، نالائق، سخت اور مضبوط (مُسند) خبر۔

سرگرمیاں:

ا۔ بچوں سے کہیں کہ وہ مرزا فرحت اللہ بیگ کی کوئی اور شگفتہ تحریر پڑھیں اور اس کا خلاصہ اپنی کاپی میں لکھیں۔

۲۔ باری باری ہر بچے سے کہیں کہ انھیں اس تحریر میں جو بات سب سے اچھی لگی ہے، اسے جماعت کے کمرے میں اپنے الفاظ میں بتائیں۔

اشاراتِ تدریس

ا۔ طلبہ کو بتائیں کہ مزاحیہ تحریر لکھنے والے ادیب کو مزاح نگار کہتے ہیں۔

۲۔ طلبہ کو بتائیں کہ مزاحیہ تحریر میں شگفتگی پائی جاتی ہے جبکہ طنزیہ تحریر میں طنز کی شدت کی وجہ سے چُبھن کا احساس ہوتا ہے۔

۳۔ مرزا فرحت اللہ بیگ کا تعارف خصوصاً ان کی خاکہ نگاری کے حوالے سے کراتے ہوئے ان کے معروف مضامین کا ذکر کیا جائے۔

۴۔ امتحان کے موضوع کے حوالے سے اس قسم کے دیگر مضامین کا تعارف کرایا جائے مثلاً منشی پریم چند کا ''بڑے بھائی صاحب''، اور پطرس کا ''ہاسٹل میں پڑنا'' اور ''سویرے جو کل آنکھ میری کُھلی'' وغیرہ۔

۵۔ کامیابی کے لیے محنت و مشقت کی تلقین کی جائے اور ''محنت کی عظمت'' سے متعلق کوئی واقعہ طلبہ کو سُنایا جائے۔

۶۔ سبق میں جو شعر اور مصرعے آئے ہیں ان کی وضاحت کی جائے۔